

**HABIBIA ISLAMICUS** (The International Journal of Arabic & Islamic Research) (Bi-Annual) Trilingual (Arabic, English, Urdu)  
ISSN:2664-4916 (P) 2664-4924 (E)

Home Page: <http://habibiaislamicus.com>

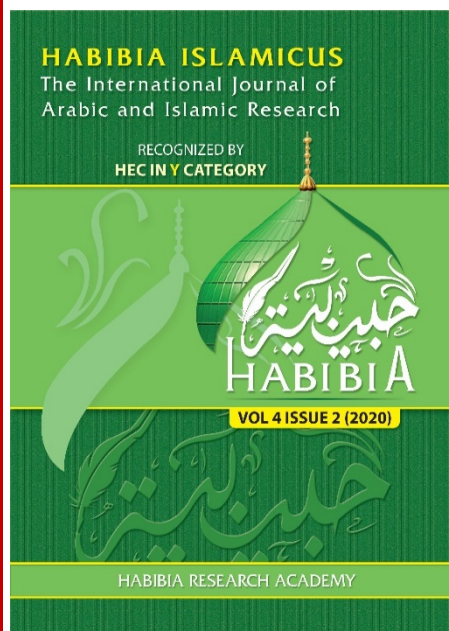
Approved by HEC in Y Category

Indexed: IRI (AIOU), Australian Islamic Library, ARI, ISI, SIS, Euro pub.

PUBLISHER HABIBIA RESEARCH ACADEMY  
Project of JAMIA HABIBIA INTERNATIONAL,  
Reg. No: KAR No. 2287 Societies Registration  
Act XXI of 1860 Govt. of Sindh, Pakistan.

Website: [www.habibia.edu.pk](http://www.habibia.edu.pk)

This work is licensed under a [Creative Commons Attribution 4.0 International License](https://creativecommons.org/licenses/by/4.0/).



**TOPIC:**

**IMPACT OF THE PUBLICATION OF FEMALE RAPE CASES ON  
PAKISTANI ELECTRONIC MEDIA IN ISLAMIC SOCIETY**

پاکستانی الیکٹرانک میڈیا پر خواتین کی عصمت دری کے واقعات کی تشہیر کے اسلامی معاشرے پر اثرات

**AUTHORS:**

1. Ms. Farhana Niazi, PhD Scholar, Department of Mass Communication, University of Karachi. Email: [farhana.niazi1@gmail.com](mailto:farhana.niazi1@gmail.com) Orcid ID: <https://orcid.org/0000-0002-8222-8724>
2. Dr. Muhammad Osama Shafiq, Assistant Professor, Department of Mass Communication, University of Karachi. Email: [osamashafiq@gmail.com](mailto:osamashafiq@gmail.com), ORCID ID: <https://orcid.org/0000-0003-0789-4388>

**HOW TO CITE:** Niazi, Farhana, and Muhammad Usama Shafiq. 2021. "IMPACT OF THE PUBLICATION OF FEMALE RAPE CASES ON PAKISTANI ELECTRONIC MEDIA IN ISLAMIC SOCIETY : پاکستانی الیکٹرانک میڈیا پر خواتین کی عصمت دری کے واقعات کی تشہیر کے اسلامی معاشرے پر اثرات". *Habibia Islamicus* (The International Journal of Arabic and Islamic Research) 5 (2):161-78. <https://doi.org/10.47720/hi.2021.0502u12>.  
URL: <http://habibiaislamicus.com/index.php/hirj/article/view/67>

Vol. 5, No.2 || April – June 2021 || P. 161-178

Published online: 2021-06-30

QR. Code



## IMPACT OF THE PUBLICATION OF FEMALE RAPE CASES ON PAKISTANI ELECTRONIC MEDIA IN ISLAMIC SOCIETY

پاکستانی الیکٹرانک میڈیا پر خواتین کی عصمت دری کے واقعات کی تشہیر کے اسلامی معاشرے پر اثرات

Ms. Farhana Niazi, Muhammad Osama Shafiq

### ABSTRACT:

Crimes against women include many crimes, but this research paper focuses on rape cases and seeks to find out when television channels cover rape cases, what are the consequences of it, how they affect the Islamic society and what has been said about it in the light of Qur'an and Hadith? This topic is also important because no significant research paper on this subject has been written in Pakistan before and no clear picture has emerged. The pamphlet assumes that the broadcasting of incidents of rape of women on television channels is having a negative impact on the society, which has been investigated in every possible way. In this regard, various incidents of rape from 2012 to 2014 have been studied in the broadcasts of two television channels. A survey was also conducted to gauge public opinion, which revealed a variety of views. The survey included all kinds of questions that cover the entire subject. On the other hand, an interview with a victim has been conducted to find out the opinion of the rape survivor; while an interview with an individual associated with electronic media and a psychologist is also part of this pamphlet. The study found that news channels do not pay attention to a single statement while covering rape incidents, while on the other hand, the identity of the victim is revealed, which is also denied by our religion Islam and the Qur'an. According to the findings, more research is needed in the near future, and television channels need to collaborate with researchers and give them access to content. Similarly, there is a need for a large-scale comprehensive study in which data from all over the country is collected so that a complete picture can emerge.

**KEYWORDS:** Female rape cases, publication of female rape cases, affect Islamic society.

مفروضہ: ٹیلی ویژن چینلز پر خواتین کی عصمت دری کے واقعات کی تشہیر معاشرے پر منفی اثرات مرتب کر رہی ہے۔

خلاصہ: خواتین کے حوالے سے ہونے والے جرائم میں ویسے تو بہت سے جرائم شامل ہیں لیکن اس تحقیقی پرچے میں خواتین کی عصمت دری کے واقعات کو مرکزی موضوع بناتے ہوئے اس متعلق جاننے کی کوشش کی گئی ہے کہ آیا ٹیلی ویژن چینلز عصمت دری کے واقعات کی جو تشہیر کر رہے ہوتے ہیں وہ اسلامی معاشرے پر کس طرح سے اثر انداز ہوتی ہے اس کے کیا نتائج نکلتے ہیں اور قرآن و حدیث کی روشنی میں اس متعلق کیا کہا گیا ہے۔ یہ موضوع اس لیے بھی اہم ہے کیوں کہ اس سے قبل اس متعلق کوئی خاطر خواہ تحقیقی مقالہ یا تحقیقی پرچہ پاکستان میں نہیں لکھا گیا اور کوئی واضح تصویر سامنے نہیں آ سکی۔ پرچے کا مفروضہ ہے کہ ٹیلی ویژن چینلز پر خواتین کی عصمت دری کے واقعات کی تشہیر معاشرے پر منفی اثرات مرتب کر رہی ہے۔ جس کی ہر طریقے سے جانچ کی گئی ہے۔ اس ضمن میں دو ٹیلی ویژن چینلز کی نشریات میں 2012 سے 2014 تک کے مختلف عصمت دری کے واقعات کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ جبکہ عوامی رائے جاننے کے لیے ایک سروے بھی کیا گیا جس میں مختلف النوع کے خیالات سامنے آئے۔ سروے میں ہر طرح کے سوالات رکھے گئے جو موضوع کا مکمل احاطہ کرتے ہیں۔ دوسری جانب عصمت دری کا شکار خواتین کی رائے جاننے کے لیے ایک متاثرہ خاتون کا انٹرویو بھی کیا گیا ہے، جبکہ الیکٹرانک میڈیا سے وابستہ ایک فرد اور ماہر نفسیات کا بھی ایک انٹرویو اس پرچے کا حصہ ہیں۔ مطالعے میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ نیوز چینلز عصمت دری کے واقعات کی کوریج کے دوران ایک تو زبان و بیان کا خیال نہیں رکھتے جبکہ دوسری جانب متاثرہ لڑکی یا خاتون کی شناخت ظاہر کر دی جاتی ہے جس کی ہمارا مذہب اسلام اور قرآن بھی نفی کرتا ہے۔ اس تحقیق سے جو کچھ سامنے آیا اس کے مطابق یہ کہا جاسکتا ہے کہ مستقبل قریب میں ضرورت ہے کہ اس متعلق مزید تحقیق کی جائے جبکہ ٹیلی ویژن چینلز کو بھی چاہیے کہ وہ محققین سے تعاون کریں اور

انہیں مواد تک رسائی دیں۔ اسی طرح اس حوالے سے ضرورت ہے کہ ایک بڑے پیمانے کی جامع تحقیق بھی ہو جس میں ملک بھر سے اعداد و شمار اکٹھا کیے جائیں تاکہ ایک مکمل تصویر سامنے آ سکے۔

## تعارف

موجودہ دور میں ایک سماجی مسئلہ، جس نے ملکی اور عالمی دونوں سطحوں پر گہرے صورتحال اختیار کر لی ہے، خواتین کی عزت و آبرو کی پامالی اور عصمت دری ہے۔ وہ اپنوں اور پرائیوٹ دونوں کی جانب سے زیادتی اور دست درازی کا شکار ہیں۔ کوئی جگہ ان کے لیے محفوظ نہیں ہے۔ گھر ہو یا دفتر، پارک ہو یا بازار، ٹرین ہو یا بس، ہر جگہ ان کی عصمت پر حملے ہو رہے ہیں اور انہیں بے آبرو کیا جا رہا ہے۔ کبھی معاملہ عصمت دری پر رُک جاتا ہے، تو کبھی ظلم کی شکار خاتون کو اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ ایک گھناونی صورت اجتماعی آبروریزی کی ہے، جس میں کئی نوجوان مل کر کسی معصوم لڑکی کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتے ہیں، پھر بڑے دردناک طریقے سے اسے قتل کر دیتے ہیں۔

اس طرح کے واقعات آئے دن پیش آتے رہتے ہیں۔ کسی دن کا اخبار اٹھا کر دیکھ لیجیے، عصمت دری کی بہت سی خبریں اس میں مل جائیں گی۔ ان میں سے کچھ ہی معاملے عدالتوں تک پہنچ پاتے ہیں۔ اور جو پہنچتے ہیں، ان میں بھی عدالتی پیچیدگیوں کی وجہ سے فیصلہ آنے میں کئی سال لگ جاتے ہیں اور بہت کم مقدمات میں مجرموں کو سزا مل پاتی ہے۔ پاکستان اپنی دیگر کئی مشکلات کے علاوہ عصمت دری کے واقعات جیسے سنگین مسائل سے بھی نبرد آزما ہے۔ پاکستان میں عصمت دری، درندگی، طاقت، بدلہ، شادی سے انکار پر انتقام اور اپنے پرانے خدایات اور ہوس کے زیر اثر بھی کی جاتی ہے۔ ہیومن رائٹس کمیشن کے سنہ ۲۰۱۴ کے اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں ہر سال تقریباً دو ہزار نو سو (2900) زیادتی کے واقعات ہوتے ہیں۔ یعنی ایک دن میں آٹھ زیادتی کے واقعات لیکن کٹہرے میں پہنچنے والوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ پاکستان میں شائع ہونے والی انسانی حقوق سے متعلق کئی رپورٹس کے مطابق پاکستان کے چھوٹے علاقوں میں کم عمر بچیوں کو زیادہ زیادتی کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

(HRCP REPORT, 2014) پاکستان میں میڈیا خصوصاً الیکٹرانک میڈیا کو آزادی ملے چند ہی سال ہوئے ہیں اور الیکٹرانک میڈیا پر ہر خبر نشر کرنے کی کوشش میں بعض اوقات بہت سی باتوں اور اخلاقیات پر توجہ نہیں دی جاتی۔ بالخصوص خواتین کے حساس موضوعات پر جن میں خواتین پر تشدد اور زیادتی کے واقعات شامل ہیں۔ میڈیا پر چند روز تک اس واقعے سے متعلق بہت شور مچایا جاتا ہے اور بعد میں متاثرہ خاتون یا بچی کے ساتھ کیا ہوا۔ اُسے اور اس کے خاندان کو انصاف ملایا نہیں اس متعلق کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ سنہ 2002 میں مختار امانی کے ریپ کیس کو میڈیا پر اتنی زیادہ جگہ دی گئی کہ وہ دنیا بھر میں مشہور ہوا اس کے بعد تو اتر سے ایسے واقعات میڈیا پر رپورٹ ہونے لگے۔ لیکن جب ان واقعات کی بہت زیادہ کوریج ہونے لگی تو خبروں کی درستگی اور شفافیت کے ساتھ ساتھ اخلاقیات بھی پس پشت رکھ دی گئیں۔ میڈیا ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش میں اس قدر مصروف ہوا کہ میڈیا اخلاقیات اور ضابطہ اخلاق کا بھی خیال نہ رہا اور متاثرہ فرد اور خاندان کو میڈیا پر دکھایا جانے لگا اور ان سے طرح طرح کے سوالات کئے جاتے ہیں جس کی وجہ سے متاثرہ خاندان معاشرے میں کسی کے سامنے منہ اٹھانے کے بھی قابل نہیں رہتا۔ خواتین کے مسائل یا خواتین سے متعلق اب تک بہت سی تحقیق ہوئی ہیں۔ جن میں خواتین کے ٹرانسپورٹ میں مسائل، خواتین کی آزادی، خواتین کی تعلیم، خواتین پر تشدد وغیرہ جیسے بہت سے موضوعات شامل ہیں۔ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن نے خواتین کے خلاف تشدد کو دنیا بھر میں اہم عوامی صحت اور انسانی حقوق کا مسئلہ قرار دیا ہے۔

(WEF, 2009) سنہ 2014 میں بدین میں 12 سالہ بچی مدرسہ جاتے ہوئے اغوا ہوئی اور پھر وہ زخمی حالت میں ملی جس میں تفتیش کے بعد سامنے آیا کہ بچی کے ساتھ زیادتی کی گئی۔ بچی بعد میں فوت ہو گئی۔ جونیوز کے پروگرام ایف آئی آر میں 29 اپریل 2014 کو اس متعلق فالو اپ چلایا گیا کہ قاتل تاحال گرفتار نہیں ہوئے۔ لیکن صحافتی اصولوں کی مالی کرتے ہوئے بچی کا نام اور اس کا رہائشی پتہ بھی بتا دیا گیا۔ 04 گرفتار ملزمان کے چہرے بھی رپورٹ میں واضح دکھائیے گئے۔ (News, 2014)

ستمبر 2013 کو کراچی میں سی ویو کے قریب ایک 13 سالہ لڑکی کو زیادتی کے بعد قتل کر دیا گیا اور اس کی لاش وہاں سے ملی۔ اے آر وائی نیوز چینل پر اس خبر کو پہلے بریکنگ نیوز کی شکل میں چلایا گیا اور پھر اس کے بعد اس متعلق مختلف خبریں چلائی گئیں۔ بچی کے والدین اور رشتہ داروں تک بھی رسائی کی کوشش کی گئی۔ تاہم بچی کی لاش کو دھندلا کر کے دکھایا گیا لیکن بچی کا نام بھی بتایا گیا اور اس کے والدین کو بھی دکھایا گیا جو کہ صحافتی اصولوں کے خلاف ہے کیوں کہ اس طرح بچی کی شناخت ظاہر ہو گئی اور اس کے والدین کیلئے یہ چیزیں آگے چل کر مسئلہ بن سکتی ہیں۔ اسی طرح دوسرے نجی چینل جونیوز پر بھی صحافتی اصولوں کو اسی طریقے سے پامال کیا گیا۔ دوسری جانب ان خبروں میں جو زبان استعمال کی گئی وہ بھی مناسب نہیں۔ جبکہ پیمر کے الیکٹرونک میڈیا کے لیے جاری کردہ 2015 کے اصول و ضوابط میں بھی واضح الفاظ میں ان چیزوں سے منع کیا گیا ہے۔

(Dawn, 2013)۔ زنا بالجبر، جنسی بد اخلاقی، دہشت گردی یا اغوا کا شکار کسی بھی شخص کی شناخت اور نہ ہی اس کے خاندان کی شناخت اس وقت تک ظاہر کی جائے جب تک کہ شکار بننے والا فرد اور کمسن ہونے کی صورت میں اس کے نگہبان اس کی اجازت نہ دیں۔ (code of conduct, 2015) اور اے نبی، مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ (النور: ۳۲۳) ان آیات میں دو باتیں (نظریں بچانا اور شرم گاہ کی حفاظت کرنا) ساتھ ساتھ کہی گئی ہیں۔ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ دونوں کا خاص تعلق ہے۔ اگر کوئی شخص، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اپنی نگاہوں کو قابو میں نہیں رکھے گا تو اس کے بدکاری کی کھائی میں جا گرنے کا اندیشہ رہے گا۔ ایک مرتبہ اللہ کے رسولؐ نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت علیؓ کو، جو آپ کے داماد بھی تھے، نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ”اے علیؓ، اگر کسی اجنبی عورت پر تمہاری نظر پڑ جائے تو فوراً اپنی نظر پھیر لو اور دوبارہ اسے نہ دیکھو، اس لیے کہ پہلی نظر تو قابل مواخذہ نہیں، لیکن دوبارہ اسے دیکھنے کا تمہیں حق نہیں ہے۔“ (ابوداؤد، ترمذی)

### نامحرم کے ساتھ تنہائی میں رہنے کی ممانعت:

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ کوئی مرد یا عورت کسی نامحرم کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے۔ اس کی بہت سخت الفاظ میں ممانعت آئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے ارشاد فرمایا: ”کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں ہرگز نہ رہے، کیوں کہ اس صورت میں ان کے ساتھ تیسرا لازمًا شیطان

ایک مرتبہ آپؐ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ”جب عورتیں تنہا ہوں تو ان کے پاس ہرگز نہ جاؤ۔“ اس پر ایک شخص نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسولؐ، کیا عورت کا سسرالی رشتہ دار (دیور یا جیٹھ وغیرہ) بھی نہیں جاسکتا؟ فرمایا: وہ تو موت ہے۔“ (بخاری، مسلم)

### آزادانہ اختلاط کی ممانعت:

اسلام مردوں اور عورتوں کا آزادانہ اختلاط پسند نہیں کرتا۔ وہ چاہتا ہے کہ مرد اور عورتیں گھل مل کر نہ رہیں، اس لیے کہ مخلوط طور پر رہنے سے ان میں صنفی جذبات ابھرنے کا امکان رہتا ہے اور یہ چیز بسا اوقات بدکاری تک پہنچا سکتی ہے۔ ایک مرتبہ اللہ کے رسولؐ نے دیکھا کہ کچھ عورتیں سڑک

کے درمیان مردوں کے ساتھ گھل مل کر چل رہی ہیں۔ آپ نے انہیں ٹوکا اور فرمایا: ”پیچھے ہٹ جاؤ، تمہارا راستے کے درمیان میں چلنا مناسب نہیں۔ کنارے ہو کر چلا کرو“۔ (ابوداؤد) ندوی، (2014)

## پاکستان میں موجود قوانین

**حدود آرڈیننس 1979:** اس میں پانچ مختلف قوانین ہیں جو مختلف جرائم بشمول چوری، منشیات کا کاروبار اور زنا کے بارے میں ہیں۔ ان قوانین کے تحت دو طرح کی سزا دی جاتی ہے۔ حد اور تعزیر حد کی سزا دینے کے لیے درکار گواہی میں عورتوں کے خلاف امتیاز برتا جاتا ہے۔

**زنا اور قذف آرڈیننس:** یہ دونوں قوانین براہ راست یا بالواسطہ خواتین کے لیے امتیاز یا تفریق کے اثرات رکھتے ہیں۔ زنا آرڈیننس سے پہلے خواتین کو زنا بالجبر کی سزائیں نہیں ملتی تھیں اور بدکاری کے بھی چند ہی مقدمات سامنے آتے تھے۔ لیکن جیسے ہی اس قانون کو تبدیل کر کے اس میں عورتوں کو شامل کیا گیا تو زنا کے الزامات کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ چنانچہ زیر سماعت ملزمان کی حشیت سے عورتوں کو جیل کی سختیاں اور تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں۔ قذف کے قانون کا نفاذ اتنا موثر نہیں رہا کیوں کہ یہ زنا کے جھوٹے الزامات کا تدارک نہیں کرتا۔ (ص 49)

**قانونی شہادت 1984:** گواہوں کی اہلیت اور تعداد آرٹیکل 7 اور 17 میں مطلوبہ شہادت کے مختلف توضیحات کے بارے میں کافی الجھاؤ پایا جاتا ہے جس کا نتیجہ نا انصافی کی صورت میں بھی نکل سکتا ہے۔ (تحقیقاتی کمیشن برائے خواتین 1997، شرکت گاہ، ص 51)

**تفصیلی شکل میں حدود آرڈیننس 1979:** ستائیس سال قبل 5 جولائی 1979 کو جنرل ضیا الحق نے اپنی طاقت کے بل بوتے پر۔ ”حدود آرڈیننس“ کا بل پیش کیا اور اس کے نفاذ کا اعلان کیا۔ ضیا الحق کے دور میں ہی خواتین کے لیے امتیازی قوانین بنائے گئے جن میں حدود آرڈیننس اور قانون شہادت شامل ہیں۔ حدود آرڈیننس میں زنا بالجبر بھی شامل ہے جس کے مطابق عمر یا بلوغت کے لیے مرد کے لیے 18 سال اور عورت کے لیے 16 سال عمر کی شرط ہے۔ بل صدر پرویز مشرف کے دور میں بھی 7 سال نافذ رہا لیکن ان ترامیم کے بعد نسواں بل کے نام سے پارلیمنٹ اور سینیٹ نے اس منظوری دے دی اور اس پر دستخط کر کے صدر پرویز مشرف نے اسے قانون کی شکل دے دی تھی۔ اس حدود آرڈیننس کے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

۱۔ زنا بالرضا کی صورت میں اگر عمر کی حد کی شرائط پوری نہ ہوں تو مجرم کو بالکل آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ حدود آرڈیننس میں اس کو زنا موجب تعزیر قرار دیا گیا ہے۔ یہ وہ جرم ہے جس کی سزا قرآن و سنت نے طے کر دی ہے۔

۲۔ اگر کسی پر جرم ثابت ہو جائے تو شرعی معیار کے مطابق 4 عینی گواہ یا مجرم کا اقرار و اعتراف جرم ثابت ہو جائے تو موجب حد ہے اور اس پر حد شرعی نافذ ہوگی جو شادی شدہ کے لیے 100 کوڑے ہیں اور اسی بنا پر حدود آرڈیننس کے مطابق جرم کو عدالت میں ثابت کرنا ہوگا۔

۳۔ بل میں ایک نمبر 45، بائٹ 1860 میں کئی دفعہ کی شمولیت کے تحت دفعہ نمبر 376، بعنوان ’زنا بالجبر کے لیے سزا‘ موجود ہے جس میں ہے کہ جو کوئی زنا بالجبر کا ارتکاب کرتا ہے، اسے سزائے موت یا کسی ایک قسم کی سزائے قید جو کم از کم 5 سال اور زیادہ سے زیادہ 25 سال تک ہو سکتی ہے اور جرمانے کی سزا کا بھی مستحب ہوگا۔ (مغل صغیر احمد، 2006، ص 4)

پاکستان میں دوہرے نظام عدل کے باعث زنا جیسے جرم کا مجرم بھی اکثر بیچ جاتا ہے جس کی بڑی مثال مختاراں ماکی کا کیس ہے جس کے مجرمان میں سے بیشتر اب تک بری ہو چکے ہیں۔ جرئل ضیا الحق کے دور میں ہونے والی قانون سازی نے عورتوں کے خلاف جرائم میں مذہب کے نام پر رعایت برتی ہے۔ موجودہ اسلامی شرعی نظام کے تحت عورت کو زنا کی صورت میں اپنے اوپر ہونے والے جرم کو ثابت کرنا ہوتا ہے۔ ناکامی کی صورت میں عورت

پر قذف کا قانون لاگو ہو سکتا ہے۔ مختار اس مائی کے کیس میں ہونے والے فیصلے نے عورتوں میں اپنے خلاف ہونے والے جرائم کی پولیس رپورٹنگ کی حوصلہ شکنی کی ہے جس کی وجہ سے عورتوں کے خلاف جرائم کی شرح میں اضافہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ مختار اس مائی کے کیس میں ہونے والے فیصلہ میں معاشرے کے ایسے عناصر جو عورتوں کے خلاف امتیازی سلوک کو روارکھنے کے لیے مختلف بہانے تلاش کر رہے تھے ان کو اس کیس نے سہارا دیا ہے کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ عالمی شہرت حاصل کرنے والا کیس مردوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اب انہیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں جبکہ عورتوں پر ان کے لواحقین پر بھی اس کے کیس کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ ان کو اپنا کیس رپورٹ کرنے کا کچھ فائدہ نہیں کیوں کہ یہ کیس طاقتور کی حمایت میں رہے گا۔

4- حدود آرڈیننس (1979) کی دفعہ 6 میں زنا بالجبر کی مندرجہ ذیل سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔

(الف) اگر مرد یا عورت محسن یعنی کہ شادی شدہ ہے تو اسے رجم یا سنگسار کر کے ہلاک کر دیا جائے گا۔

(ب) اگر مرد یا عورت محسن نہیں ہے یعنی کہ غیر شادی شدہ ہے تو جائے عام پر 100 کوڑوں کی سزا جو کہ عدالت حالات مقدمہ کے مطابق ہوگی۔

5- قذف یعنی زنا کی جھوٹی تہمت لگانا: قذف آرڈیننس کی دفعہ 13 تشنا نمبر 2 میں یہ صاف صاف لکھا ہے کہ جو شخص قانونی اتھارٹیز کے پاس زنا بالجبر کی شکایت لے کر جائے گا اسے صرف قذف میں اس بنا پر سزا دی جاسکتی ہے کہ وہ 4 گواہ پیش نہیں کر سکی۔ ہوش و حواس میں رہتے ہوئے ایسی عورت کو سزا نہیں ہو سکتی۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ایسی عورت کو رضامندی سے زنا کی اجازت دینے کی سزا دی جاسکتی ہے لیکن اگر کسی عدالت نے یہ کیا بھی ہو تو ضروری نہیں ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ عورت 4 گواہ پیش نہیں کر سکی بلکہ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ عدالت شہادتوں کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچی ہو کہ عورت کا دعویٰ جھوٹا ہے تو ظاہر ہے اس بات کے بعد اس عورت کو سزا دینا انصاف کے تقاضوں کے منافی نہیں ہے۔

6- حدود آرڈیننس میں یہ احکام تھے کہ اگر زنا پر شرعی اصول کے مطابق 4 گواہ موجود ہوں تو آرڈیننس کی دفعہ 5 کے تحت مجرم پر زنا کی حد (شرعی سزا) جاری ہوگی۔ اور اگر 4 گواہ نہ ہوں اور فی الجملہ جرم ثابت ہو تو اسے تعزیری سزا دی جائے گی۔ اب اس بل میں حدود آرڈیننس کی دفعہ 5 کے تحت زنا بالرضا کی حد شرعی تو باقی رکھی گئی ہے جس کے لیے چار گواہوں کی موجودگی شرط ہے لیکن بل کی دفعہ 8 کے ذریعے اسے ناقابل دست اندازی پالیسی قرار دے کر یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ کوئی شخص چار گواہوں کو لے کر عدالت میں شکایت درج کرائے، پولیس میں اس کی ایف آئی آر کا اندراج نہیں ہو سکتا۔ اس طرح کر کے زنا قابل حد کے طریقہ کار کو مزید مشکل بنا دیا گیا ہے۔ اسی طرح چار گواہوں کی غیر موجودگی میں جو زنا کی سزا حدود آرڈیننس میں موجود تھی اس میں درج ذیل تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ (الف) حدود آرڈیننس میں اس کو "زنا موجب تعزیر" کہا گیا تھا۔ جبکہ زیر نظر بل میں اس کا نام تبدیل کر کے - "فاشی" (Lwedness) کر دیا گیا ہے۔ یہ تبدیلی بالکل درست اور قابل خیر مقدم ہے کیوں کہ قرآن و سنت کی رو سے چار گواہوں کی غیر موجودگی میں کسی کے جرم کو زنا قرار دینا مشکل تھا البتہ اسے زنا سے کم ترکوئی نام دینا چاہیے تھا۔ (ب) حدود آرڈیننس میں اس کی سزا 10 سال ہو سکتی تھی لیکن اسے گھٹا کر 5 سال کر دیا گیا ہے کیوں کہ یہ تعزیر ہے۔ (ج)

حدود آرڈیننس کے تحت "زنا" ایک قابل دست اندازی پولیس (Congnirable) جرم تھا تاہم اس بل میں اسے قابل دست اندازی پولیس قرار دے دیا گیا ہے۔

لہذا اس جرم کی ایف آئی آر اب تھانے میں درج نہیں کرائی جاسکتی۔ بلکہ اس کی شکایت اب عدالت میں کرنا ہوگی اور شکایت کے لیے 2 عینی گواہ بھی ساتھ لے جانا ضروری ہوں گے۔ جن کا بیان حلفی عدالت کی جانب سے فوری قلم بند کرنا ضروری ہوگا۔ اس کے بعد اگر عدالت یہ سمجھے گی کہ مزید کارروائی کے لیے کافی وجوہات موجود ہیں تو عدالت ملزم کی حاضری یقینی بنانے کے لیے کوئی ضمانت طلب نہیں کرے گی۔ اور اگر اندازہ ہو کہ کارروائی کی کوئی بنیاد موجود نہیں ہے تو عدالت مقدمہ اسی وقت خارج کر دے گی۔

7- حدود آرڈیننس کے تحت جو بھی کیس کسی بھی صدارتی آفیسر آن کورٹ کے ہاں ہوگا اس کا مسلمان ہونا بل کی شرط ہے۔

8- حدود آرڈیننس میں 2006 میں ضابطہ فوج داری میں دفعہ 203 سی کو جو اضافہ کیا گیا تھا اس کی شق نمبر 6 میں یہ لکھ دیا گیا ہے کہ جو زنا موجب کے الزام سے بری ہو گیا ہو، اس کے خلاف فاشی کا کوئی مقدمہ درج نہیں کیا جاسکتا۔

9- حدود آرڈیننس میں قذف کے حصے میں کہا گیا ہے کہ مرد کو یہ چھوٹ ہے کہ وہ عورت کے مطالبے کے باوجود تعاون کی کارروائی میں شرکت سے انکار کرے عورت کو معلق چھوڑ دے۔

10- حدود آرڈیننس میں کہا گیا ہے اگر کسی شخص پر زنا بالجبر موجب تعزیر کا الزام ہو تو اس کے مقدمے کو کسی مرحلے میں بھی فاشی کی شکایت میں تبدیل نہیں کرایا جاسکتا۔

11- دفعہ 375 بعنوان زنا بالجبر کی شق پنجم کے تحت 16 سال سے کم عمر (نابالغ خاتون) لڑکی کے ساتھ اس کی رضامندی کے ساتھ زنا کیا گیا ہو تو مرد کو زنا بالجبر کا مرتکب قرار دے کر سزا دی جائے گی۔ اور اپنی مرضی سے زنا کرنے والی عاقلہ بالغہ عورت کو ارتکاب و ثبوت جرم کے باوجود بری کر دیا جائے گا اور وہ سزا سے محفوظ رہے گی۔

حدود آرڈیننس میں جنرل ضیاء الحق کے دور سے اب تک کئی اعتراضات کیے گئے ہیں جس کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ اب بھی اس قانون میں کئی جگہ ترامیم کی ضرورت ہے کیوں کہ جب تک اس میں تمام قوانین شرعی حثیت سے یکساں نہیں ہو جاتے یہ آرڈیننس قابل قبول ہو بہت مشکل ہے۔ (تقی

عثمانی 2006، پہلی قسط 23 نومبر 2000)

### اسلام میں خواتین کے حقوق (Women's Rights In Islam)

اسلام نے اس بات کا پورا خیال رکھا ہے کہ کسی عورت کے ساتھ صرف عورت ہونے کی بنیاد پر نا انصافی نہ ہونے پائے۔ نہ اس کی صلاحیتیں کچلی جائیں اور نہ اس کی شخصیت کو دبایا جائے۔ اللہ کے رسول نے کوشش کی کہ اسلام نے انسانوں کو جو حقوق دیئے ہیں ان سے مرد بھی واقف ہوں اور عورتیں بھی۔ دونوں اپنے حقوق حاصل کریں اور اپنے اپنے فرائض کو اپنے دائرہ اختیار میں بخوبی ادا کریں۔

حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں: عورتوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ آپ کے حضور میں ہمیشہ مردوں کا ہجوم رہتا ہے اس طرح ہم خاطر خواہ آپ سے استفادہ نہیں کر پاتیں، چنانچہ آپ ایک وقت متعین کر کے ان کے پاس تشریف لے گئے۔ وعظ و نصیحت فرمائی اور انہیں نیک کاموں کا حکم دیا۔ پھر آپ نے مسجد میں عورتوں کیلئے الگ وقت مقرر کیا جس میں عورتیں آپسے آکر مختلف مسائل پر گفتگو کرتیں۔ رسول اللہ ﷺ نے خواتین کو مسجد میں آکر نماز ادا کرنے کی اجازت دی اور فرمایا: مسلمان عورتوں کو مسجد میں آنے سے مت روکو۔

اسلام نے مرد اور خواتین کو باہم ایک دوسرے کے ولی اور نیکی کے کاموں میں معاون قرار دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست اور معاون ہیں، اچھے کام کی تلقین کرتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، اللہ اور اس کے پیغمبر (ﷺ) کی اطاعت کرتے ہیں، جن پر اللہ رحم فرمائے گا، بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

### متعلقہ مواد کا مطالعہ

خواتین کے حوالے سے جرائم بالخصوص عصمت دری کے واقعات کی الیکٹرانک میڈیا پر تشہیر اور اس کے اسلامی معاشرے پر اثرات کے متعلق پاکستان میں اب تک کوئی خاص مقالہ نہیں لکھا گیا۔ اس سلسلے میں ملتے جلتے مقالوں کے لیے مختلف یونیورسٹیوں کی لائبریریوں کا دورہ کیا گیا۔ جن میں کراچی یونیورسٹی کی مختلف لائبریریاں، لیاقت لائبریری، اسٹیٹ بینک لائبریری شامل ہیں۔

انسٹیٹیوٹ آف بزنس منیجمنٹ کراچی کی میڈیا اسٹڈیز ڈیپارٹمنٹ کی ارم حفیظ نے اکتوبر 2017 میں اس عنوان

Crimes and violence in television news and its effects on the mental health of viewers in Pakistan پر تحقیق کی۔ جسے اردو میں کچھ یوں بیان کیا جائے گا کہ "ٹیلی ویژن کی خبروں میں دکھایا جانے والا جرم اور تشدد اور پاکستان میں دیکھنے والوں کی ذہنی صحت پر اس کے اثرات۔" محققہ نے اس مقصد کے لیے کل 392 مختلف عمروں، صنف اور پیشہ ورانہ پس منظر سے تعلق رکھنے والے افراد کے نمونے عدم امکان کی سہولت اور رضاکارانہ نمونہ بندی کے طریقے سے نمونے حاصل کیے۔ جن افراد کے نمونے لیے گئے ان سے چھ ماہ کے عرصے (مثال کے طور پر جون 2016 سے دسمبر 2016) کے دوران دماغی صحت کی انویسٹری (MHI-38) پر مبنی احتیاط کے ساتھ ڈیزائن کردہ سوالنامے کے ذریعے تفتیش کی گئی تاکہ ضرورت سے زیادہ اور مرکوز خبریں دیکھنے کے اثرات کا اندازہ کر سکیں۔ جتنا بھی مواد جمع کیا گیا تمام آن لائن سروے کے ذریعے سے جمع کیا گیا۔ تمام لوگوں سے سروے پیپر جمع کرنے کے بعد ہر آن لائن سروے کا اسکور نکالا گیا اور اس کا تجزیہ کیا گیا جس کے لیے SPSS کا طریقہ استعمال کیا گیا۔ تمام حاصل شدہ نمونوں کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ حقیقی زندگی میں ہونے والے تشدد اور ذہنی پریشانی کا ایک مثبت ارتباط ہے، جسے ٹیلی ویژن کے ناظرین کی طرف سے افسوسناک واقعات پر دیکھی جانے والی خبروں کی فریکوئنسی اور توجہ کو بے چینی، افسردگی اور جذباتی عدم استحکام کے لحاظ سے پایا جاتا ہے۔ موجودہ مطالعے نے تجرباتی ثبوت فراہم کیے کہ ممکنہ طور پر ثالثی تناؤ اور ذہنی صحت کے امور کے مابین ایک نمایاں وابستگی موجود ہے جیسا کہ اس میدان میں پیشگی مطالعات (ڈارڈیڈا 2013، ڈیو 1997) کے ذریعہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ اگرچہ افسوسناک خبروں اور خراب دماغی صحت کے درمیان تعلق کسی بھی طرح کوئی نئی دریافت نہیں ہے۔ اس کے سدباب کے لئے ہنگامی اقدامات اٹھانا ضروری ہے کیونکہ اس سے نا صرف خبروں کو دیکھنے والے بڑے پیمانے پر متاثر ہوتے ہیں بلکہ ان کے ساتھ رہنے والے لوگوں کی زندگیوں پر بھی بہت برا اثر پڑتا ہے۔ لہذا، مجموعی طور پر یہ معاشرتی امن اور بڑے پیمانے پر آبادی کے ذہنی صحت کے انڈیکس پر منفی اثر ڈال رہا ہے۔ (Hafeez, 2017)

قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد کے قومی ادارہ برائے سائیکولوجی کے ارشد علی شیخ، انیلہ کمال اور مسعود علی شیخ نے بعنوان "Comparative analysis of attitudes and perceptions about rape among male and female university students" پر تحقیق کی۔ تحقیق کاروں کے مطابق خواتین کے خلاف زیادتی کے واقعات اور دیگر تشدد واقعات پاکستان میں عام ہیں اور عموماً پولیس اس طرح کے واقعات کی رپورٹ لکھنے میں ہچکچاہٹ کا شکار ہوتی ہے۔ محققین کا کہنا ہے کہ اس تحقیق میں مرد حضرات کی جانب سے خواتین کی زیادتی کے واقعات پر

یونیورسٹی کے طلباء کی سوچ اور ان کے رویے کا جائزہ لیا گیا۔ اس مقصد کے لیے قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد کے مرد اور خواتین طلباء سے کراس سیکشنل سروے کیا گیا۔ جبکہ اس کے لیے پہلے سہولتی نمونہ بندی کی گئی۔ سروے کے سوالات میں مسدود الطرف سوالات شامل کیے گئے۔ جس میں طلباء سے زیادتی کا شکار خواتین اور واقعے کے ذمہ دار مردوں کے حوالے سے ان کے رویے اور ان کی رائے سے سوالات پوچھے گئے۔ تاہم سروے کے دوران زیادتی کی تعریف نہیں بتائی گئی کیوں کہ سروے کی قبل از آزمائش میں بہت جارحانہ تصور کیا گیا تھا۔ تینوں محققین نے سہولتی طور پر منتخب کردہ سروے دینے والوں کو تمام سروے کا مقصد سمجھایا اور انہیں اس تحقیق میں رضاکارانہ شمولیت کی دعوت دی۔ زبانی رضامندی کے بعد شرکا میں سوالنامے تقسیم کیے گئے اور بھرنے کے بعد انہوں نے محققین کو واپس لوٹا دیے۔ اس تحقیق کے نتیجے میں واضح طور پر صنفی امتیاز دیکھنے میں آیا۔ مرد طلباء کی جانب سے ایسے رویے اور عقائد دیکھنے میں آئے جن میں زیادتی کا شکار خواتین کو اس کا ذمہ دار قرار دیا گیا۔ محققین کا کہنا ہے کہ اس سلسلے میں دماغی صحت کے حوالے سے پُر اثر تعلیم کا سلسلہ شروع کرنے کی ضرورت ہے اور پاکستان میں ان غلط رویوں کی حد اور وسعت کو طے کرنے کے لئے آبادی پر مبنی سروے کرنے کی ضرورت ہے۔ (Kamal, Shaikh, & Shaikh, 2010)

پنجاب یونیورسٹی کی لٹری ظہیر نے Women protection legislation and Media dicourse in Pakistan کے عنوان سے ایک تحقیقی مقالہ لکھا۔ محقق کا کہنا ہے کہ اس تحقیق کا مقصد خواتین کے حقوق سے متعلق آگہی پیدا کرنے اور اس کی ترویج سے متعلق ملکی ذرائع ابلاغ کے کردار کا جائزہ لینا تھا۔ اس مقصد کے تحت اس تمام دورانیے کا جائزہ لیا گیا جس عرصے کے دوران پنجاب اسمبلی میں خواتین کی حفاظت کا بل پیش کیا گیا اس پر بحث کی گئی اور پھر وہ بل منظور ہوا یعنی تحقیق میں ان تمام پہلوؤں کا مکمل جائزہ لیا گیا۔ اس بات کا مطالعہ کیا گیا کہ کس حد تک ذرائع ابلاغ نے اس حوالے سے بات کی کہ اسمبلی میں اس متعلق قانون سازی ہوگی اور بل جو کہ بعد میں قانون کی شکل اختیار کر گیا اس کی ذرائع ابلاغ پر کس انداز میں تشہیر کی۔ اس کے علاوہ اس بات کا بھی جائزہ لیا گیا کہ کتنے ذمہ دارانہ انداز میں ذرائع ابلاغ پر اس مسئلے کو اجاگر کیا گیا تاکہ لوگوں بالخصوص خواتین میں اس بل کے متعلق آگاہی پیدا ہو سکے۔ تحقیق کے مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات سامنے آئی کہ ذرائع ابلاغ کے نظریات ایجنڈا سیٹنگ (McCombs & Shaw, 1972) اور سماجی ذمہ داری کا نظریہ (Siebert, Peterson, & Schramm 1956) اس تحقیق پر گہرے اثرات رکھتے ہیں یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ مطابقت رکھتے ہیں۔ تمام تحقیق اور ان کے نتائج کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ ذرائع ابلاغ خواتین اور ان کے مسائل کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا اسی طرح ذرائع ابلاغ پر خواتین کے حقوق کے بل یا قانون سازی کے حوالے سے خبروں کو بھی کوئی خاص اہمیت نہیں دی گئی اور مخصوص دورانیہ کے دوران صرف چند ہی خبریں اور ادائیے قانون سازی سے متعلق شائع کیے گئے۔ تحقیق سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ 2 ماہ کے دوران انگریزی اور اردو دونوں اخبارات نے اس مسئلے کے حوالے سے کل 137 خبریں اور صرف 10 ادارے شائع کیے۔ شاید یہ بات قابل بحث ہے کہ ذرائع ابلاغ نے جولائی سے دسمبر 2016 کے دوران خواتین کے حقوق سے ہونے والی قانون سازی کو اہمیت نہیں دی اور مسلسل 120 دنوں کے دوران صرف چند خبریں اور ادائیے شائع کیے۔ جبکہ جن خبروں کو زیادہ اہمیت دی گئی وہ خاتون کے حقوق کے حوالے سے پاس ہونے والے بل پر نامور افراد یا سیاستدانوں کے بیانیے یا اس حوالے سے ہونے والی تقریرات تھیں۔ اگرچہ اس بات سے انکار نہیں ہے کہ اس طرح کی خبریں بھی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں لیکن یہ بھی قابل ذکر بات ہے کہ قانون سازی کے اہم نکات جنہیں میڈیا پر آنا چاہیے تھا یا شائع ہونا چاہیے تھا انہیں نظر انداز کر دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ قانون سازی کے اہم ترین عناصر جیسے کہ "سزا"، "میں کمی اور اس کی سپورٹ" اور سب سے اہم "عمل

درآمد کے طریقہ کار" کے حوالے سے بہت ہی کم تعداد میں خبریں شائع کی گئیں۔ کئی دہائیوں سے یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ خواتین کی معاشرے میں حیثیت کو مستحکم بنانے کے لیے کئی کامیاب قوانین سامنے آئے لیکن نامناسب منصوبہ بندی، مکمل معلومات کی کمی کے باعث قوانین پر عمل درآمد نہیں ہو پاتا جس کی بنا پر قانون سازی بھی بس کاغذوں تک ہی محدود رہ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ذرائع ابلاغ کی یہ بہت اہم ذمہ داری تھی کہ وہ قانون سازی پر عمل درآمد کے متعلق خبروں کو شائع کیا جاتا اور اس بات پر زور دیا جاتا۔ اگر انگریزی اخبارات سے تقابل کیا جائے تو اردو اخبار روزنامہ جنگ نے مقابلتا اس حوالے سے زیادہ خبریں شائع کیں۔ روزنامہ جنگ نے انگریزی روزنامہ ڈان کے مقابلے میں اس مسئلے پر زیادہ خبریں شائع کیں جن میں سے زیادہ تر خبریں "پہلے صفحے" پر موجود تھیں جبکہ روزنامہ ڈان نے زیادہ تر خبریں اپنے۔

اندرونی صفحات "پر شائع کیں ان میں بھی زیادہ تر خبروں میں تنقیدی انداز اختیار کیا گیا جبکہ قانون سازی کے بہت سے نکات پر مخالفت آمیز انداز یا اس کی نفی کرنے کے انداز میں بات کی گئی۔ جبکہ اداروں میں غیر جانبدارانہ اور سراسر ہٹالانداز تحریر روار کھا گیا۔ اسی طرح خبروں کی طوالت کی بات کی جائے تو خبریں بس زیادہ طویل نہیں تھیں، تاہم کچھ غیر معمولی خبریں بھی شائع کی گئیں۔ (Zaheer, 2016)

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کی شائلہ احمد اپنی تحقیق بعنوان Violence Against Women: Media Representation of Violant

#### Issues in the Perspective of Pakistan

میں لکھتی ہیں کہ اس تحقیق کا مقصد خواتین کے ساتھ روا تشدد کے واقعات کی پاکستانی میڈیا پر رپورٹنگ کا جائزہ لینا ہے۔ مواد پاکستان کے دو بڑے نیوز چینلز ڈان نیوز اور ایکسپریس نیوز سے اکٹھا کیا گیا۔ ان نیوز چینلز پر سنہ 2013 کے جنوری سے اپریل کے دوران نشر ہونے والے واقعات کا تجزیہ مواد کیا گیا۔ محققہ کے مطابق اس بیانیہ اور تجرباتی تحقیق کا مقصد پاکستان میں خواتین کے حقوق کے تحفظ اور خواتین کے خلاف تشدد کے حوالے سے الیکٹر انک میڈیا کے مثبت یا منفی کردار کی جانچ کرنا تھا۔ اس سلسلے میں سسٹمیٹک نمونہ بندی کی تکنیک کا استعمال کیا گیا۔ ایس پی ایس ایس کا استعمال کرتے ہوئے بیانیہ طریقہ تحقیق استعمال کرتے ہوئے تحقیق کے نتائج کو بیان کیا گیا۔ جبکہ تحقیق کے دوران جمع کیے گئے مواد کا تعلق بھی اسٹیشنریل طریقے کے ذریعے سے بیان کیا گیا۔ اس حوالے سے مفروضے اور اس کے تعلق کو کائی اسکوائر ٹیسٹ کے ذریعے سے جانچا گیا۔ اس تحقیق کے نتائج میں یہ بات سامنے آئی کہ پاکستان کے مقبول میڈیا چینلز پر خواتین کے حوالے سے تشدد کے واقعات کی رپورٹنگ جانبدارانہ انداز میں کی گئی۔ اس میں یہ حقیقت بھی سامنے آئی کہ میڈیا اپنی روزانہ کی خبروں میں خواتین کے مسائل کو بہت ہی کم جگہ دیتا ہے جو کہ پاکستان میں خواتین کے خلاف تشدد کے واقعات بڑھنے کی ایک اہم ترین وجہ ہے۔ ایکسپریس نیوز کی خبروں کا جائزہ لینے پر یہ بات سامنے آئی کہ 49 فی صد خبریں جنسی ہراسانی، 20 فی صد جسمانی تشدد، 17 فی صد غیرت کے نام پر قتل، 7 فی صد خبریں بچپن کی شادی جبکہ 8 فی صد گھر میں جھلسانے کے واقعات سے متعلق تھیں۔ اگر ہم انسانی حقوق کے حوالے سے تمام مسائل کا موازنہ کریں تو زیادہ تر خبریں جنسی ہراسگی کی نظر آتی ہیں۔ اسی طرح ڈان نیوز چینل پر نشر کی گئی خبروں کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ 59 فی صد خبریں جنسی ہراسگی، 30 فی صد خبریں جسمانی تشدد، 7 فی صد خبریں غیرت کے نام پر قتل، 2 فی صد خبریں بچپن کی شادی جبکہ 2 فی صد خبریں گھریلو سطح پر جھلسا دینے والے واقعات سے متعلق تھیں۔ اس چینل کی بھی تمام خبروں کا اگر موازنہ کیا جائے تو واضح طور

حوالے سے خبروں کو سنسنی خیزی پیدا کرنے کے لیے دکھاتا ہے۔ عام طور پر زیادہ تر چینلز خواتین کے حوالے سے ایسی خبروں کو منفی انداز میں دکھاتے ہیں جس سے خواتین کا معاشرے میں ترقی کا عمل کم ہو جاتا ہے۔ (Ahmed, 2016)

### طریقہ تحقیق

مندرجہ بالا تحقیق میں ایک سے زائد طریقہ تحقیق کو استعمال کیا گیا ہے۔ جن میں سے ایک مساحتی طریقہ تحقیق (Survey method) اور دوسرا عصری اکائی (Case study) کا مطالعہ ہو گا۔ عصری اکائی کے مطالعے کے لیے نمونہ جاتی طریقہ استعمال کیا گیا کیوں کہ زیادہ آبادی کا نمونہ لینا تو ظاہر ہے کہ ممکن نہیں تھا اس سلسلے میں 500 سروے پیپر مختلف عمروں اور مڈل سے پوسٹ گریجویٹ تعلیم کے حامل لوگوں سے بھروائے گئے۔ دوسرا طریقہ تحقیق عصری اکائی کا مطالعہ تھا (Case study) ہو گا اس سلسلے میں زیادتی سے متاثرہ افراد سے روبرو یا پھر ٹیلی فونی انٹرویو یا بالمشافہ ملاقات کی گئی۔ اس کے علاوہ ان لوگوں سے بھی ملاقاتیں کی گئیں جن سے موضوع سے متعلقہ مواد یا معلومات مل سکتی تھی۔ مختلف میڈیا باؤسز کے سرکردہ افراد اور سربراہان سے انٹرویو کیے گئے۔ دو من ایگنٹس ریپ نامی ایک تنظیم کے سرکردہ فرد سے انٹرویو لیا گیا۔ ایسے کیسز دیکھنے والے وکلاء سے ملاقاتیں کی گئیں۔ نفسیات دان سے بھی انٹرویو لیا گیا۔ جبکہ ایک زیادتی سے متاثرہ خاتون کا بھی انٹرویو لیا گیا۔ بیانیہ طریقہ تحقیق استعمال کرتے ہوئے ایس پی ایس ایس کے ذریعے سے تحقیق کے نتائج کو بیان کیا گیا۔ جبکہ تحقیق کے دوران جمع کیے گئے مواد کا تعلق بھی اسٹیٹسٹیکل طریقے کے ذریعے سے بیان کیا گیا۔ اس حوالے سے مفروضے اور اس کے تعلق کو کائی اسکوائر ٹیسٹ کے ذریعے سے جانچا گیا۔

### نتیجہ:

Table 1: Cross tabulation between gender and کیا زیادتی کے واقعات سے متعلق ٹیلی ویژن پروگرام دکھانا درست ہے؟

|                                                                 | جواب  |                | مرد   | عورت  | Total |
|-----------------------------------------------------------------|-------|----------------|-------|-------|-------|
| کیا زیادتی کے واقعات سے متعلق ٹیلی ویژن پروگرام دکھانا درست ہے؟ |       | Count          | 86    | 142   | 228   |
|                                                                 | ہاں   | Expected count | 96.1  | 131.9 | 228.0 |
|                                                                 |       | Row %          | 37.7  | 62.3  | 100   |
|                                                                 |       | Total%         | 16.9  | 27.8  | 44.7  |
|                                                                 | نہیں  | Count          | 129   | 53    | 282   |
|                                                                 |       | Expected count | 118.9 | 163.1 | 282   |
|                                                                 |       | Row %          | 45.7  | 54.3  | 100   |
|                                                                 |       | Total%         | 25.3  | 30.0  | 55.3  |
| Chi-Square                                                      | 3.303 |                |       |       |       |
| Df                                                              | 1     |                |       |       |       |
| Asymp. Sig.                                                     | 0.068 |                |       |       |       |

Table 1 shows the results of chi square test of independence. Almost 55% of the respondents answered that it is not good to show rape incidence on the TV. However, most of the female respondents favor the question. The chi square test statistics is 3.03 and its associated p-value is 0.068. This indicates that both variables are independent to each other.

جدول نمبر ایک سروے پیپر میں شامل جوابات کے کافی اسکوائر ٹیسٹ کے نتائج کو ظاہر کرتا ہے۔ تقریباً 55% جواب دہندگان نے جواب دیا کہ ٹی وی پر عصمت دری کے واقعات دکھانا اچھا نہیں ہے۔ تاہم، بیشتر خواتین جواب دہندگان اس سوال کے حق میں ہیں۔ جی مربع ٹیسٹ کے اعداد و شمار 3.03 ہیں اور اس سے وابستہ پی ویلیو 0.068 ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں متغیرات ایک دوسرے سے آزاد ہیں۔

Table 2: Cross tabulation between gender and ٹیلی ویژن چینلز پر زیادتی کے واقعات دکھانے سے ان میں اضافہ ہوا ہے؟

|                                                                    | جواب           |                | مرد  | عورت  | Total |
|--------------------------------------------------------------------|----------------|----------------|------|-------|-------|
|                                                                    |                | Count          | 65   | 45    | 110   |
| ٹیلی ویژن چینلز پر زیادتی کے واقعات دکھانے سے ان میں اضافہ ہوا ہے؟ | مکمل اتفاق     | Expected count | 46.4 | 63.6  | 110   |
|                                                                    |                | Row %          | 59.1 | 40.9  | 100   |
|                                                                    |                | Total%         | 12.7 | 8.8   | 21.6  |
|                                                                    |                | Count          | 57   | 45    | 102   |
|                                                                    | اتفاق ہے       | Expected count | 43   | 59    | 102   |
|                                                                    |                | Row %          | 55.9 | 44.1  | 100   |
|                                                                    |                | Total%         | 11.2 | 8.2   | 20    |
|                                                                    |                | Count          | 65   | 162   | 227   |
|                                                                    | معلوم نہیں     | Expected count | 95.7 | 131.3 | 227   |
|                                                                    |                | Row %          | 28.7 | 71.4  | 100   |
|                                                                    |                | Total%         | 12.7 | 31.8  | 44.5  |
|                                                                    |                | Count          | 22   | 29    | 51    |
| اختلاف ہے                                                          | Expected count | 21.5           | 29.5 | 51.0  |       |
|                                                                    | Row %          |                |      |       |       |

Table 2 shows the frequency distribution of survey question along with its chi square test statistics and significance value. Most of the respondent's shows that they have no clear idea that showing rape incidence on television will lead to increase in the rape cases. The chi square goodness of fit test value is found to be 245.235 and its associated significance value is 0.000 (less than significance value 0.05). These values indicate that the difference is significant in terms of observed numbers and expectation of researcher.

سروے پیر کے جوابات کا تجزیہ کیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ زیادہ تر جواب دہندگان کو اس متعلق کوئی واضح انداز میں معلوم نہیں کہ آیا ٹیلی ویژن چینلز پر ایسے واقعات دکھانے سے ان کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔ کائی اسکوائر گڈنس آف فٹ ٹیسٹ اور اس سے جڑی اہم قدر کی مقدار یہ ظاہر کرتی ہے کہ مشاہداتی نمبروں اور تحقیق کار کی توقعات کے مابین فرق اہم ہے اور یہ فرق اعداد و شمار سے بھی ثابت شدہ ہے۔

## ملاقاتیں / انٹرویو:

### ٹریزا (زیادتی سے متاثرہ خاتون)

کراچی کی رہائشی ٹریزا زیادتی کا نشانہ بننے والی خاتون ہیں۔ انہوں نے اپنی روداد سناتے ہوئے بتایا کہ 2008 میں جب ان کی عمر 18 سال تھی تب ڈیوٹی پر جاتے ہوئے انہیں اغوا کر کے زیادتی کا نشانہ بنایا گیا اور مار پیٹ کی گئی۔ پورا دن جس بے جا میں رہنے کے بعد اسی شام وہ بہت مشکل سے جان چھڑا کر بھاگیں۔ اُن کا کہنا تھا کہ جس شخص نے زیادتی کی وہ نہ تو ٹریزا کی جان بچان کا تھا اور نہ ہی اس سے ان کی دشمنی تھی۔ ٹریزا کے مطابق اس بندے نے بہن سے ٹریزا کا رشتہ مانگا تھا۔ جس پر بہن نے کافی برہمی کا اظہار کیا۔ اس شخص نے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے ٹریزا کی عصمت دری کی۔ ٹریزا نے بتایا کہ وہ جان بچا کر گھر پہنچیں اور گھر والوں کو یہ سب بتایا۔ انہوں نے علاقہ ناظم اور کونسلر کو ساتھ لے کر ایف آئی آر کٹوائی۔ ٹریزا کے مطابق ایف آئی آر کٹوانے کے باوجود بھی پولیس نے تحقیقات میں ہیر پھیر کی کیونکہ وہ مخالفین سے پیسے لے کر کھا رہے تھے۔ جبکہ پولیس ٹریزا کو بھی ڈراتی دھمکتی رہی۔ انہوں نے بتایا۔ سماٹی وی پر خبر نشر ہوئی تھی۔ اور دیگر اخبارات میں بھی شائع ہوئی تھی۔ تاہم ان کی تصویر ظاہر نہیں کی گئی۔ لیکن نام خبر میں شامل کیا گیا تھا۔ ٹریزا نے بتایا کہ میڈیا کو پولیس اور اسپتال ذرائع سے خبر کا عمل ہوا۔

جب ٹریزا سے یہ پوچھا گیا کہ خبر میڈیا پر آنے سے اُن پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟ انہوں نے جواب دیا۔ "میں خاموش تھی کیا کر سکتی تھی، لوگ کورٹ جاتے ہوئے گندی نظر سے دیکھتے تھے، آوازے کتے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی گناہ کیا ہو۔ لوگوں نے بہت باتیں بنائیں یہ تک کہا گیا کہ میں اپنی مرضی سے اس شخص کے پاس گئی تھی۔" انہوں نے بتایا کہ میڈیا پر خبر آنے سے انصاف کی امید تو جاگ ہی تھی لیکن ساتھ ہی دھمکیاں بھی ملیں۔ انہیں کہا گیا کہ ان کی جان کو خطرہ ہے، پیچھے ہٹ جانا چاہیے۔ ٹریزا کے مطابق دھمکیاں دینے والوں میں پولیس والے اور مخالفین کا وکیل شامل تھا۔ ٹریزا کا کہنا تھا کہ ان کی ایک وکیل آسیہ منیر وار این جی او کی طرف سے تھیں۔ ٹریزا کا کیس لڑنے کے جرم کی پاداش میں ان کا آفس جلادیا گیا۔ اور وہ خاتون وکیل وہاں سے جان بچا کر بھاگیں۔ ٹریزا نے بتایا کہ ان کے دوسرے وکیل رحیم خان بنگش کو قتل کر دیا گیا۔

سنہ دو ہزار سولہ میں آخر کار کیس کا فیصلہ ٹریزا کے حق میں ہوا۔ ملزم کو دس سال قید اور 50 ہزار جرمانہ ہوا۔ خاتون سے سوال پوچھا گیا کہ اس واقعے کے اُن پر نفسیاتی طور پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟ جس پر انہوں نے کہا کہ ظاہر ہے یہ سانحہ بھلایا تو نہیں جاسکتا۔ آج بھی بٹی وی پر ایسا کوئی واقعہ دیکھتی ہیں تو دماغ میں منظر گھوم جاتا ہے کہ اُن پر بھی یہ سب گزرا ہے۔ اور بے حد اذیت کا شکار ہو جاتی ہیں کئی دنوں تک ذہنی سکون چلا جاتا ہے۔

### محمد رضوان اعوان، کنٹرولریوز بول نیوز چینل:

رضوان اعوان کے مطابق جرائم دو طرح سے رپورٹ ہوتا ہے یا تو سنسنی پھیلا کے یا ڈرامائی شکل میں کر کے دکھایا جائے یا اس کی سنگینی اور جرم کی حیثیت کو دکھایا جائے۔ تو یہ آپ کے ادارتی شعبے کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ لیکن جب آپ گلیمر زئز کریں گے، میوزک ڈالیں گے انڈین ٹیج دیں گے تو پُر یہ متاثر کن لگے گا۔ اس طرح کی چیزیں نیوز میں نہیں چلتیں۔ لیکن تمثیل نگاری پر مبنی پروگرامز میں ہوتی ہیں جس سے لوگوں کو حوصلہ افزائی ملتی

ہے اور جسے جرم کا راستہ نہیں پتہ ہوتا وہ بھی جرم کرتا ہے۔ رضوان احمد کہتے ہیں دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ میڈیا پر رپورٹ کرتے ہیں تبھی اداروں کی اور حکومت کی سپورٹ ملتی ہے۔ ورنہ تو تھانے میں بھی داخل نہ ہونے دیں۔ نیوز میں ہم اس طرح سے رپورٹ کرتے ہیں کہ جرم کی نوعیت رپورٹ ہو جائے۔ لیکن پھر ذمہ داری اداروں پر آجاتی ہے کہ زیادتی کے واقعات کیوں بڑھ رہے ہیں اس کے تدارک کیلئے کیا کرنا چاہیے، کیا اقدامات اٹھانے چاہیں۔ اصل کام پارلیمنٹریز، قوانین بنانے والوں اور این جی او کا ہے کہ روک تھام کیلئے کیا کرنا ہے۔ ان کے مطابق میڈیا کا کام رپورٹ کرنا ہے وہ اسی طرح ہونا چاہیے کہ جرم اور مجرم کی حوصلہ افزائی نہ ہو کیوں کہ پروگرام میں طریقہ دکھائیں گے تو جن کو نہیں آتا ان کو بھی جرم کی تعلیم ملتی ہے۔

### ڈاکٹر آمنہ، اسسٹنٹ پروفیسر جامعہ کراچی شعبہ نفسیات

ڈاکٹر آمنہ جامعہ کراچی کے شعبہ نفسیات کی اسسٹنٹ پروفیسر ہیں اب تک کئی طلباء ان کی زیر نگرانی تحقیق کر چکے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ نیوز چینلز پر جنسی زیادتی سے متعلق خبر دکھادی جاتی ہے لیکن حل کچھ نہیں نکلتا۔ جس سے معاشرے میں صرف خوف پھیلتا ہے۔ مسئلہ بیان کر دیا جاتا ہے لیکن اس کا حل نہیں بتایا جاتا۔ جس سے ناظرین کی بے چینی اور ڈر میں اضافہ ہوتا ہے۔ ہم ڈرامے اور فلمیں دیکھتے ہیں تو اس کی اینڈنگ کے لیے بے چین و بے قرار ہوتے ہیں۔ لیکن ایسے معاملات کی تشہیر کے بعد یہ پتا نہیں ہوتا کہ کیس میں پھر تحقیقات کیا ہوں، پیش رفت کہاں تک پہنچی۔ بس منفی پہلو دکھادیے جاتے ہیں حل کچھ نظر نہیں آتا ایسے واقعات میں بعض اوقات بڑا جانبدار تبصرہ کیا جا رہا ہوتا ہے۔ اُن کے مطابق ایک کے بعد ایک اس ہی نوعیت کی خبریں دکھائی جانا شروع ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ اس دوران ملک میں بہت سی مثبت چیزیں بھی ہو رہی ہوتی ہیں لیکن پھر بھی میڈیا کا فوکس زیادتی کی خبریں ہی ہیں۔

### سلطانہ، ایڈووکیٹ ہائی کورٹ:

ایڈووکیٹ سلطانہ ہائی کورٹ سندھ کی سینئر وکیل ہیں جو سنہ 2000 سے پریکٹس کر رہی ہیں، اُن کے مطابق اب تک وہ 250 کیس لڑ چکی ہیں۔ سلطانہ صاحبہ جنسی زیادتی سے متعلق کیس ہی لڑتی ہیں۔ ذرائع ابلاغ پر جنسی زیادتی کا شکار خواتین سے متعلق خبریں نشر کرنے سے متعلق سوال کے جواب میں اُن کا کہنا تھا کہ میڈیا پر جنسی زیادتی سے متاثرہ خواتین کو دکھانے کے خلاف ہوں اس سے لوگوں کو نئی معلومات ملتی ہے کہ یہ سب کچھ کیسے ہوتا ہے۔ جو نابالغ ہوتے ہیں، ان کو بھی اس کا پتہ چلتا ہے۔ ہم مسلمان معاشرے میں رہتے ہیں اس کی آگاہی نہ ہونا بہتر ہے۔ ایڈووکیٹ سلطانہ نے اپنی رائے دیتے ہوئے کہا کہ میڈیا پر کیسز دکھانے سے روکا جائے کیوں کہ اس سے کیسز بڑھتے ہیں۔ کیوں کہ جن طریقوں سے پکڑے جاتے ہیں اس سے ہٹ کر کام کرتے ہیں نئے طریقے آزما رہے ہیں۔ اُن کا کہنا تھا کہ میڈیا کے ہر میڈیم چاہے وہ الیکٹرانک میڈیا ہو یا پرنٹ ان واقعات کی ترویج کو روکا جانا چاہیے۔

### بحث:

مذکورہ تحقیقی پرچہ اس حوالے سے ہے کہ خواتین کے ساتھ عصمت دری کے واقعات کو الیکٹرانک میڈیا پر پیش کرنے سے معاشرے پر منفی غلط اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ جب اعداد و شمار کی جانچ کی گئی اور لوگوں سے معلوم کیا گیا تو یہی سامنے آیا کہ اس تمام عمل کے نتیجے میں منفی اثرات پڑ رہے ہیں۔ اس سلسلے میں عام لوگوں اور میڈیا سمیت مختلف اہم شعبہ ہائے زندگی کے افراد کے انٹرویو لیے گئے۔ تمام تحقیق اور مواد کی جانچ کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ الیکٹرانک میڈیا پر خواتین سے زیادتی کے واقعات دکھانے سے معاشرہ تنزلی کی جانب جانے لگا ہے اور ان واقعات کی تعداد میں

بھی روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ کراچی میں دو سال کے دوران رپورٹ ہونے والے جنسی تشدد کے کیس۔ ذیل میں درج ہیں۔ جولائی 2016 سے ستمبر 2018 کے درمیان، جنسی تشدد کے حوالے سے 03 بڑے سرکاری اسپتالوں میں 838 میڈیکولجکل معائنہ جات (ایم ایل ایز) کا اندراج کرایا گیا۔ اس عرصے کے دوران پولیس کے ڈیٹا عدم موجودہ رہا، تاہم 2013 سے دسمبر 2015 کے درمیان پولیس کی جانب سے جمع کیے گئے ڈیٹا کی مدد سے تجزیہ کیا گیا تو معلوم ہوا ہے کہ اوسط 90 سے 110 ایف آئی آر درج کرائی گئیں۔ ستمبر 2017 سے ستمبر 2018 کے درمیان وار کی جانب سے جنسی اور صنفی بنیاد پر ہونے والے کیسز کے اعداد و شمار کے مطابق: سب سے زیادہ عصمت دری کے 31 واقعات (51 فی صد) خواتین اور بچوں کے رپورٹ ہوئے، جن میں 12 کو اغوا، 3 کا قتل، 2 ساہرہ کرائم کے تھے۔ ان میں سے 10 کیسز (16 فی صد) کم عمر بچیوں سے زیادتی اور 9 کیسز (15 فی صد) گھریلو تشدد کے رپورٹ ہوئے ہیں۔ جغرافیائی علاقے کے لحاظ سے کورنگی کوریڈالرٹ والا علاقہ قرار دیا گیا کیوں کہ وہاں جنسی اور صنفی تشدد کے سب سے زیادہ 18 کیسز (30 فی صد) جبکہ دوسرے نمبر پر کراچی کا علاقہ اورنگی ٹاؤن رہا جہاں 6 کیسز (10 فی صد)، اور تیسرے نمبر پر ملیر تھا جہاں 05 کیسز (08 فی صد) رپورٹ ہوئے۔ 03 کیسز زنا بالجبر اور 02 گروہی عصمت دری کے بھی رپورٹ ہوئے۔

اگر اس تحقیقی پرچے کے نتائج کی روشنی میں ہم بات کریں دیگر تحقیقی پرچوں یا مقالوں کی جو اس موضوع سے مطابقت رکھتے ہیں تو ان کے نتائج بھی کم و بیش ایسے ہی ہیں۔ اس پرچے میں شامل متعلقہ مواد کے مطالعے میں موجود ایک محققہ ارم حفیظ کا تحقیقی مقالہ جس میں ٹیلی ویژن پر دکھائے جانے والے جرائم کے معاشرے کے افراد پر ذہنی اثرات کا جائزہ لیا گیا جس کے نتیجے میں سامنے آیا کہ نہ صرف خبروں کو دیکھنے والے بڑے پیمانے پر متاثر ہوتے ہیں بلکہ ان کے ساتھ رہنے والے لوگوں کی زندگیوں پر بھی بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ لہذا، مجموعی طور پر یہ معاشرتی امن اور بڑے پیمانے پر آبادی کے ذہنی صحت کے انڈیکس پر منفی اثر ڈال رہا ہے۔ اسی طرح سے پنجاب یونیورسٹی کی لبنی ظہیر نے Women protection legislation and Media dicourse in Pakistan کے عنوان سے ایک تحقیقی مقالہ لکھا جس میں یہ معلوم ہوا کہ خواتین کے خلاف جنسی تشدد کے حوالے سے خبروں کو اخبارات میں زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی اور بڑے اخبارات میں خبریں پہلے صفحے پر کم کم ہی چھاپی جاتی ہیں اسی طرح سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ خواتین کی معاشرے میں حیثیت کو مستحکم بنانے کے لیے کئی کامیاب قوانین سامنے آئے لیکن نامناسب منصوبہ بندی، مکمل معلومات کی کمی کے باعث قوانین پر عمل درآمد نہیں ہو پاتا جس کی بنا پر قانون سازی بھی بس کاغذوں تک ہی محدود رہ جاتی ہے۔ قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد کے قومی ادارہ برائے سائیکولوجی کے ارشاد علی شیخ، انیلہ کمال اور مسعود علی شیخ نے بعنوان "Comparative analysis of attitudes and perceptions about rape among male and female university students" جس کے نتائج میں یہ دیکھنے میں آیا کہ خواتین کے مقابلے میں مرد طلبانے زیادتی کا شکار ہونے والی خواتین کو ہی اس عمل کا ذمہ دار قرار دیا یعنی کہ ٹیلی ویژن پر رپورٹنگ کی وجہ سے ان کے اذہان میں زیادتی سے متاثرہ خواتین سے ہمدردی کے جذبات کے بجائے منفی جذبات نے جنم لیا۔ اسلامیسو نیورسٹی بہاولپور کی شائلہ احمد اپنی تحقیق بعنوان : VIOLENCE AGAINST WOMEN: MEDIA REPRESENTATION OF VIOLENT ISSUES IN THE PERSPECTIVE OF PAKISTAN میں لکھتی ہیں کہ نتیجے میں سامنے آیا کہ خبروں میں زیادہ تر واقعات جنسی ہراسگی سے متعلق ہی بتائے گئے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نیوز میڈیا خواتین کے حوالے سے خبروں کو سنسنی خیزی پیدا کرنے کے لیے دکھاتا ہے۔ عام طور پر زیادہ تر چینلز خواتین کے حوالے سے ایسی خبروں کو منفی انداز میں دکھاتے ہیں جس سے خواتین کا معاشرے میں ترقی کا عمل کم ہو جاتا ہے۔

دوسری جانب زیادتی کا شکار ہونے والی خاتون کے انٹرویو میں ان کا بھینپی کہنا تھا کہ انہیں دیر سے ہی سہی انصاف تو مل گیا لیکن معاشرے میں اب بھی انہیں ہی قصور وار ٹھہرایا جاتا ہے۔ تاہم ان کا کہنا تھا کہ ذرائع ابلاغ پر یہ واقعات دکھانے سے انہیں اثرات کا تو معلوم نہیں لیکن ان کے خیال میں دکھائیں گے تو ہی انصاف کی فراہمی ممکن ہو سکے گی۔ اسی طرح سے سماجی سیکھنے کا نظریہ جو تحقیقی پرچے کا احاطہ کرتا ہے اس نظریے سے مطابقت رکھتی ایک تحقیق ہے۔ جو الیکٹرانک میڈیا پر تشدد کا اثر: سائنسی نظریہ اور تحقیق " کے نام سے The journal of ADOLESCENT HEALTH میں چھپی۔ اس کے محقق L. Rowell Huesmann تھے ان کے مطابق سنہ 1960 کی دہائی کے اوائل سے، تحقیقی شواہد جمع ہو رہے ہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ٹیلی ویژن، فلموں، ویڈیو گیمز، موبائل فونز اور انٹرنیٹ پر تشدد دکھانے کی وجہ سے ناظرین کی جانب سے پر تشدد سلوک کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ موجودہ جائزے میں اس تحقیقی شواہد کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے اور یہ ایک نفسیاتی نظریہ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ تشدد کے سامنے آنے سے مختصر اور طویل مدتی دونوں طرح کے مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

اب اگر بات کی جائے مذکورہ تحقیق کی تو اس کا مفروضہ اس نظریے کی واضح مثال ہے۔ جس کے مطابق "ٹیلی ویژن چینلز پر خواتین کے ساتھ زیادتی کے واقعات کی تشہیر معاشرے پر منفی اثرات مرتب کر رہی ہے"۔ اس سماجی سیکھنے کے نظریے کو اس سے اس طرح جوڑا جاسکتا ہے کہ تحقیق کا یہ خیال ہے کہ ٹیلی ویژن چینلز پر زیادتی کے واقعات دکھانے سے معاشرے میں زیادتی کے واقعات بڑھ رہے ہیں جس کی وجہ سے معاشرہ تنزلی کی جانب جارہا ہے یعنی اس پر منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ جبکہ پروپیگنڈا نظریہ بھی اس کی ایک مثال ہے کیوں کہ ٹیلی ویژن پر بعض اوقات پروپیگنڈا کیا جاتا ہے اور حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے خواتین کے متعلق ایک منفی تصور ابھر کر سامنے آتا ہے۔ اسی طرح محمد رضوان اعوان جو خود ایک خبری چینل پر کام کرتے ہیں ان کا بھینپی کہنا تھا کہ میڈیا کا کام رپورٹ کرنا ہے وہ اسی طرح ہونا چاہیے کہ جرم اور مجرم کی حوصلہ افزائی نہ ہو کیوں کہ پروگرام میں طریقہ دکھائیں گے تو جن کو نہیں آتا ان کو بھی جرم کی تعلیم ملتی ہے۔ شعبہ نفسیات کی اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر آمنہ نے کہا کہ اس طرح کے واقعات کی ٹیلی ویژن پر تشہیر سے یہ ہوتا ہے کہ معاشرے میں خوف کی فضا جنم لیتی ہے۔

ان تمام باتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ تحقیقی پرچے سے جو نتیجہ نکلا ہے وہ اعداد و شمار کی مدد سے ثابت شدہ ہے ہو سکتا ہے مستقبل یا مستقبل قریب میں اس حوالے سے پاکستان میں بڑے پیمانے پر کوئی تحقیق کی جائے اور اس کے نتائج اس نتیجے سے متصادم بھی ہو سکتے ہیں۔

### سفارشات / تجاویز:

1- مذکورہ تحقیق میں تحقیق کار کا ہدف یہ تھا کہ زیادتی سے متاثرہ زیادہ سے زیادہ افراد کو اس تحقیق میں شامل کیا جاسکے تاکہ ایک حتمی اور مکمل تصویر سامنے آئے لیکن بد قسمتی سے صرف ایک ہی متاثرہ خاتون انٹرویو دینے کے لیے رضامند ہوئیں اس سلسلے میں حکومت اور ذرائع ابلاغ کو دیکھنا چاہیے کہ زیادتی کے واقعات کو اچھالنے سے ایک نقصان یہ ہوا ہے کہ متاثرہ افراد سامنے آنے سے ڈرنے لگے ہیں، وہ تحقیقی کام کے لیے بھی تعاون نہیں کر رہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں معاشرے کا خوف ہے بدنامی کا خوف ہے وہ اپنی شناخت چھپا کر زندگی بسر کرتے ہیں۔ لہذا اس سلسلے میں ذرائع ابلاغ اور حکومت دونوں کو سنجیدگی سے کام کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ متاثرہ خاندان کی شناخت ظاہر نہ کریں تاکہ ان کے اندر سے ڈر اور خوف ختم ہو۔

2- مذکورہ تحقیق کا مواد کراچی کے مختلف علاقوں کے مختلف افراد کی رائے کی بنیاد پر حاصل کیا گیا ہے۔ ویسے تو کراچی کو منی پاکستان بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ یہ میٹروپولیٹن شہر ہے ذرائع ابلاغ سے وابستہ اداروں کے ہیڈ آفس بھی زیادہ تر اسی شہر میں ہیں لیکن ملک بھر میں اس حوالے سے کیا ہو رہا ہے اس حوالے سے ایک مکمل اور مزید بڑے پیمانے پر تحقیق کی ضرورت ہے جس میں ملک بھر کے مختلف شہروں کے لوگوں کی رائے شامل ہو، زیادہ سے زیادہ افراد کا نمونہ شامل ہو۔

4- اسی طرح اس تحقیق میں دو ٹیلی ویژن چینلز کو شامل کیا گیا تھا جس میں اے آر وائی اور جیو نیوز شامل ہیں کہ وہاں سے مواد اکٹھا کیا جائے گا۔ بہت کوشش کے بعد جیو ٹیلی ویژن سے کچھ نہ کچھ مواد تو حاصل ہو گیا لیکن اے آر وائی نیوز چینل کی انتظامیہ سے ایک دوبار رابطہ کرنے کے باوجود کوئی جواب نہیں آیا نہ ہی مواد فراہم کرنے کے سلسلے میں کوئی تعاون کیا گیا۔ لہذا ٹیلی ویژن چینلز یا اخبارات کو چاہیے کہ محققین کے ساتھ تعاون کریں۔

## حوالہ جات

Ahmed, S. (2016, Febraury 24). Google. Retrieved August 18, 2019, from ResearchGate: [https://www.researchgate.net/publication/295727923\\_VIOLENCE\\_AGAINST\\_WOMEN\\_MEDIA\\_REPRESENTATION\\_OF\\_VIOLENT\\_ISSUES\\_IN\\_THE\\_PERSPECTIVE\\_OF\\_PAKISTAN](https://www.researchgate.net/publication/295727923_VIOLENCE_AGAINST_WOMEN_MEDIA_REPRESENTATION_OF_VIOLENT_ISSUES_IN_THE_PERSPECTIVE_OF_PAKISTAN)

Christians, C. G., Glasser, T. L., McQuail, D., Nordenstreng, K., & White, R. A. (2009). Normative Theories Of The Media. In U. o. Press, Normative Theories Of The Media (p. 297). Urbana and Chicago: University of Illinois Press.

Dawn. (2013, September 26). Dawn. Retrieved Febraury 2, 2016, from Dawn.com: <https://www.dawn.com/news/1045579/body-of-raped-schoolgirl-found-at-karachi-beach>

Hafeez, E. (2017). Crimes and violence in television news and its effects on the mental health of viewers in Pakistan. Pakistan Business review , 19.

Irshad Ali shaikh, A. K. (2010). Comparative analysis of attitudes and perceptions about rape among male and female university students. Journal of Ayub Medical College , 5.

Kamal, A., Shaikh, I. A., & Shaikh, M. A. (2010). Comparative analysis of attitudes and perceptions about rape among male and female university students. Journal of Ayub Medical College, Abbottabad: JAMC 22(2):108-10 , 5.

McQuail, D. (2010). Social Cultural Effects. In S. P. Inc, McQuails Mass Communication Theory 6th Edition (p. 534). Singapore: SAGE Publications Inc.

Zaheer, L. (2016). Women protection legislation and Media dicourse in Pakistan. *Journal of the research society of Pakistan* , 12.

پاکستان، ج. (2015). الیکٹرانک میڈیا اور ضابطہ اخلاق. اسلام آباد: وزارت اطلاعات، نشریات و قومی ورثہ.



This work is licensed under a [Creative Commons Attribution 4.0 International License](https://creativecommons.org/licenses/by/4.0/).